© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ذرا چشم تصور کھول کر انسانیت کی خوش بختی کا اس حال میں جائزہ لیجیے اگر بعد میں آنے والی ہر نسل پیشرو نسل کی کوتاہیوں اور خامیوں کو سامنے رکھ کر پیہم اصلاحِ احوال کی کوشش کرتی چلی جاتی اور ان لغزشوں سے بچنے کے لیے سعی کرتی جو اس سے پہلی نسل سے سرزد ہوئی تھیں۔ کیا اس صورت میں اللہ کی یہ زمین اس دنیا میں جنت کا نقشہ پیش نہ کرتی؟ اسے نوعِ بشری کی تیرہ بختی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہر دور کا انسان اپنی ایجادات اور اکتشافات میں، اپنے صنعتی اور فنی کمالات میں یا دوسرے لفظوں میں مادی ترقی کے مختلف شعبوں میں اپنے پیشروؤں کی کاوشوں سے بھرپور فائدہ اُٹھاتا ہے اور اُن کی کامرانیوں اور ناکامیوں کو نگاہ میں رکھ کر اپنی جدوجہد کے لیے ایسے خطوط متعین کرتا ہے جن سے اس کے قدم آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں لیکن وہی انسان جب اخلاقی اور معاشرتی دائرے میں سرگرم عمل ہوتا ہے تو ماضی کے سارے تجربات یکسر فراموش کر کے اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنے کام کا آغاز کرتا ہے۔ تاریخ کی کوئی اچھی سی کتاب لے کر گزری ہوئی اقوام کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت کا شاید سب سے بڑا المیہ ہی یہی ہے کہ ہر آنے والی نسل اس بات کا تہیہ کر کے اپنے سفر کا آغاز کرتی ہے کہ اسے مذہب، اخلاق اور معاشرتی زندگی میں اپنے پیشروؤں سے قطعاً کوئی سبق حاصل نہیں کرنا بلکہ جن گمراہیوں میں وہ گرفتار ہوئے ہیں اُن میں اُسے لازمی طور پر اپنے آپ کو گرفتار کرنا ہے، جو ٹھوکریں انہوں نے کھائی ہیں وہ بہر طور اسے بھی کھانی ہیں اور ضلالت و گمراہی کے جن مہیب غاروں میں وہ گرے ہیں اُن میں بہر حال اسے بھی گرنا ہے۔ نیکی اور بھلائی، ہمت اور ایثار، جفاکشی اور جذبہ تعاون میں اگر اس کے قدم گزرے ہوئے لوگوں سے پیچھے رہ جائیں تو اُسے اس بات کا کوئی غم نہیں مگر اُسے یہ بات کسی صورت بھی گوارا نہیں کہ خدا فراموشی، دنیا پرستی، بداخلاقی، مکر و فریب الغرض وہ سارے معائب جو انسانیت کو بلندی کی طرف نہیں بلکہ پستی کی طرف لیجانے والے ہیں، اُن میں وہ اپنے پیشروؤں سے کسی طرح پیچھے رہ جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانیت کے اس حوصلہ شکن طرزِ عمل نے بحیثیت مجموعی انسان کو انتہائی پریشان اور مایوس کر دیا ہے۔ وہ ایک طرف یہ دیکھتا ہے کہ انسان پہلے کی نسبت زیادہ مالدار اور مادی وسائل کے اعتبار سے زیادہ آسودہ حال ہے۔ برق و بخارات سے کام لے کر اُس نے اشیاء کی پیداوار میں محیر العقول اضافہ کیا ہے اور ان کی مدد ہی سے اس نے دُنیا کے دُور دراز گوشے سمیٹ کر کرۂ ارضی کو ایک مختصر سی اکائی بنا کر رکھ دیا ہے اور اب اس کی تنگ دامانی سے نکل کر افلاک کی بے پایاں وسعتوں کو اپنے تصرف میں لانے کے درپے ہے۔ اس کی کامرانی اور ظفرمندی کا ایک یہ رُخ ہے مگر دوسری طرف اس کی زبوں حالی کا یہ عالم ہے کہ برق رفتاری کے ساتھ ہوا میں اُڑنے والا انسان جو چند ساعتوں کے اندر زمین کے مدار سے باآسانی باہر نکل کر چاند کی طرف کامیابی سے پرواز کر سکتا ہے وہ کسی ایسی بُرائی کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوتا جو پہلی نسلوں میں کسی صورت میں موجود تھی۔ اگر گزری ہوئی قوموں میں فرعون اور نمرود کی صورت میں خدا کے باغی پیدا ہوئے تو آج بلا مبالغہ انسانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد فرعون اور نمرود کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہے اور ان کی نسبت زیادہ ڈھٹائی کے ساتھ خدا سے بغاوت کی روش اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ اگر ماضی میں ظلم و استبداد، زبردست آزاری اور اخلاقی حدود و قیود کو پامال کرنے کی وجہ سے مختلف قومیں تباہ ہوئیں تو آج بھی انہی بُرائیوں کی وجہ سے قومیں ہلاکت کا شکار ہو رہی ہیں۔ لیکن نہ تو فرعون اور نمرود کا حشر دیکھ کر آجکل کے فراعنہ اور نماردہ کو کوئی سبق حاصل ہوتا ہے اور نہ ظالم بستیوں کے حسرتناک انجام سے آجکل کی سفاک قومیں کوئی عبرت پکڑتی ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ لوہے کی ہر نئی مشین پہلی مشینوں سے بہتر اور ان کے نقائص سے پاک ہوتی ہے۔ لیکن "مٹی کی مشین" میں وہ سارے عیوب بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں جو سابقہ مشینوں میں کسی نہ کسی شکل میں موجود تھے۔ کیا یہ صورتِ حال اس حقیقت کی شہادت نہیں دیتی کہ انسان ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتا۔

انسانیت کی اس دلفگار داستان کو دیکھتے ہوئے ذہن میں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان کی اس ناکامی اور نامرادی کا سبب کیا ہے؟ اس کے یوں تو متعدد وجوہ ہیں مگر چار خاص طور پر بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ جنہیں اگر ایک فقرہ میں سمیٹ کر بیان کرنا مقصود ہو تو "اُسے اقتدار کی بدمستی کہا جا سکتا ہے"۔

یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اثبات ذات کے لیے کوشش کرتا ہے اور اس کی یہ کوشش انفرادی بھی ہوتی ہے اور اجتماعی بھی۔ اگر وہ اس راہ میں سعی و جہد ترک کر دے تو پھر اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی بالکل عبث اور بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس اثبات ذات میں وہ جہاں اپنے لیے ایک خاص مقام کے حصول کا حق منواتا ہے وہاں وہ اپنے فکر و عمل سے یہ بات بھی ثابت کرتا ہے کہ اسے دوسرے انسانوں پر تفوق اور برتری حاصل ہے۔ انسان کا یہ فطری داعیہ اگر اپنی مناسب حدود میں رہے اور ہر فرد تعمیری کوششوں اور اخلاق حسنہ کی بنا پر دوسرے انسان پر سبقت لے جانے کی کوشش کرے تو اس سے انسانیت کو بحیثیت مجموعی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور قدرت نے انسان کے اندر یہ جذبہ مسابقت اسی وجہ سے ودیعت کر رکھا ہے کہ اس سے اثباتِ ذات میں مدد ملتی ہے۔ لیکن انسان اس معقول اور تعمیری راستے کو چھوڑ کر غیر معقول، جابرانہ اور تخریبی راستوں سے دوسرے افراد پر تسلط حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور اس کا ایک عام اور سہل طریقہ یہ ہے کہ کسی طرح تختِ اقتدار پر قبضہ حاصل کر لیا جائے اور پھر اقتدار کی قوت سے اپنی خدائی کا جھوٹا سکہ چلا کر اپنی بپھری ہوئی انا کی تسکین کا سامان فراہم کیا جائے۔ یہ طریقہ اس لیے سب سے زیادہ آسان ہے کہ اس میں مکر و فریب اور اندھی بہری قوت کے علاوہ اور کوئی چیز صرف نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص روحانی اور اخلاقی مصلح کے طور پر دوسرے انسانوں میں نمایاں ہونے کا آرزومند ہو تو اسے اس مقام تک پہنچنے کے لیے بہت زیادہ ریاضت کرنا پڑتی ہے اور پھر اس مقام کو حاصل کر لینے کے بعد اس پر فائز رہنے کے لیے اسے اپنے اخلاق کا ایک خاص معیار برقرار رکھنے کی غرض سے تزکیہ نفس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن سیاسی قوت کے حصول کے لیے اصلاحِ نفس کے لیے قطعاً کوئی کوشش درکار نہیں ہوتی بلکہ کوئی انسان جس قدر زیادہ بگڑا ہوا اور دھوکہ دہی کے فن میں جس نسبت سے بیباک اور مشاق ہو اسی نسبت سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ ماضی میں جب بادشاہت وراثت کے طور پر ایک ہی خاندان میں ایک فرد سے دوسرے فرد کی طرف منتقل ہوتی رہتی تھی اور معاشرے کے عام افراد کے لیے تختِ اقتدار پر متمکن ہونا امرِ محال خیال کیا جاتا تھا تو اقتدار کے پجاری صرف یہی کچھ کر سکتے تھے کہ مختلف حیلوں بہانوں سے شاہ کے مصاحبین بن جائیں۔ جمہوریت کے اس دور میں چونکہ ہر ذہین آدمی اقتدار پر قابض ہو سکتا ہے اس لیے وہ بڑی جسارت کے ساتھ دلفریب نعروں، جھوٹے وعدوں، کذب اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے اور عوام کے جذبات سے کھیلتے ہوئے اُن کی گردنوں پر مسلط ہو جاتا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جو اقتدار ناپاک عزائم کی تکمیل کی خاطر ناپاک ذرائع سے حاصل ہو، اس پر قابض رہنے کے لیے بھی ناپاک ہتھکنڈے ہی استعمال کرنے پڑتے ہیں چنانچہ جھوٹ کے جس مذموم دھندے سے حصولِ اقتدار کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدوجہد شروع ہوتی ہے وہ کاروبار تختِ اقتدار پر متمکن ہو جانے کے بعد کہیں زیادہ تیز ہو جاتا ہے اور اس کی ضرورت خاص طور پر اس لیے بھی پیش آتی ہے کہ جب تک ایک انسان اقتدار سے محروم رہتا ہے اسے یہ رعایت بہرحال حاصل ہوتی ہے کہ عوام اس کے خوش کن دعووں کے متعلق کسی قدر حسنِ ظن سے کام لیں اور نیک تمنائیں وابستہ کرتے ہوئے اس کے تسلط کو ملک اور قوم کے لیے اچھا شگون خیال کریں لیکن بلند بانگ دعوے کرنے والا وہی شخص جب عملاً مسندِ اقتدار پر براجمان ہو کر ملک کے سیاہ وسپید کا مالک بنتا ہے تو پھر اس کی آزمائش کا دور شروع ہوتا ہے اور اسے اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے دعاوی میں کس حد تک مخلص اور سچا ہے ۔ اس کے یہ دعاوی چونکہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کا مقصد لوگوں کو فریب دینا ہوتا ہے اس لیے مسندِ اقتدار پر متمکن ہوتے ہی اس کی توجہ اس بات پر مبذول ہو جاتی ہے کہ وہ قوم کو دھوکے میں رکھ کر اس پر ایک طویل عرصے تک بلاشرکتِ غیرے مسلط رہے ۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حکومت کے وسیع ذرائع ابلاغ کو کام میں لاتے ہوئے جھوٹ کی ایک نہایت منظم مہم کا آغاز ہوتا ہے ، سرکاری اخبارات ، ریڈیو اور ٹیلیویژن اور آقائے ولی نعمت کے دوسرے ثنا خواں ، حکمرانوں خصوصاً اس کے مرکزی کردار کے ایسے کارہائے نمایاں بیان کرتے ہیں جن سے عام تاثر یہی ملتا ہے کہ قوم کے سارے دکھوں کا بڑی تیزی کے ساتھ مداوا ہو رہا ہے ، ملک سے افلاس مٹ رہا ہے ، ظلم و استبداد دم توڑ رہا ہے ، ناانصافیوں اور دراز دستیوں کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے اور جو لوگ ان جرائم کا ارتکاب کر رہے تھے وہ کیفرِ کردار کو پہنچنے والے ہیں ۔ حکومت اگرچہ اس قسم کے جھوٹے پراپیگنڈے پر کروڑوں روپے سالانہ صرف کرتی ہے مگر نتائج کے اعتبار سے یہ کسی طرح بھی مفید ثابت نہیں ہوتا بلکہ عوام کے اندر اس کے خلاف ایک شدید ردِّ عمل پیدا ہوتا ہے اور وہ اس نہج پر سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ حکومت اپنی ناکامیوں کو مکر و فریب کے ذریعے چھپانے کی کوشش کر رہی ہے ۔ کسی فرد یا گروہ کے تخت نشین ہونے سے پیشتر تو لوگ اس کے دعاوی کے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں مگر عنانِ اختیار سنبھالنے کے بعد صحیح صورتِ حال کو محض الفاظ کی بازیگری سے چھپایا نہیں جا سکتا ۔ چند افراد یا کسی گروہ کو تھوڑے سے وقت کے لیے دھوکہ دینا ممکن ہے لیکن پوری قوم کو ایک لمبے عرصہ تک بیوقوف بنانا امرِ محال ہے ۔ سخت ناداں ہیں وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ غربت اور افلاس کے شدائد اور سیاسی استبداد اور معاشی استحصال کے مصائب کو محض پراپیگنڈے کے ذریعہ مٹایا جا سکتا ہے ۔ زندگی ایک ٹھوس حقیقت ہے اور یہ اپنے مسائل کے حل کے لیے ٹھوس اقدام کی ہی طالب ہوتی ہے اس لیے جو لوگ ٹھوس حقائق کا سامنا کرنے کے بجائے صرف الفاظ کی شعبدہ بازیوں اور دلفریب بیانات کی بھرمار سے عوام کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے دامِ فریب میں گرفتار رکھنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں انہیں جلد ہی اپنا انجام نظر آنے لگتا ہے مگر اقتدار کا نشہ اور اپنے غلط کار مشیروں کے غلط مشورے اور گرد و پیش میں کاسہ لیسوں کا ہجوم انہیں راہ راست پر آنے نہیں دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہدِ اقتدار کو طول دینے کی غرض سے ہر اس آواز کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں جو انہیں آنکھیں کھول کر حکومت چلانے کی دعوت دیتی ہے۔ فرمانرواؤں کا مزاج اس قدر بگڑ جاتا ہے کہ وہ اختلاف کی کوئی معمولی آواز سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور ملک میں بزعم خود ایک ایسا ماحول پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں جس میں یا تو صرف اُن کی آواز گونجے یا پھر وہ آواز جس میں ان کی تعریف و توصیف کا رس گھلا ہو مگر زباں بندی کے یہ سارے حربے آج تک کسی صورت بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ نہ ماضی میں نہ حال میں کیونکہ یہ حربے اس نظامِ عدل کے خلاف ہیں جس پر یہ ساری کائنات قائم ہے۔ کوئی ظالم حکمران زبانوں پر تو پہرے بٹھا سکتا ہے لیکن وہ زخمی دلوں کی آہ و فغاں کو کس طرح دبا سکتا ہے۔ وہ پولیس کی مدد سے اس بات کا التزام تو کر سکتا ہے کہ لوگ سڑکوں پر نکل کر نالہ و فریاد کرنے سے گریز کریں مگر وہ نالے جو دل کے اندر شورش بپا کرنے والے اور آنکھوں سے ابل کر عوام کے کرب و اضطراب کو ظاہر کرنے والے ہیں اُن کے اثرات کو آخر کس طرح زائل کیا جا سکتا ہے۔ یہ عاقبت نااندیش حکمران ہمیشہ اس غلط فہمی کا شکار رہے ہیں کہ لوگوں کی زبانوں پر اگر قدغن عائد کر دی جائے تو تخت و تاج اُن کی میراث بن سکتے ہیں۔ وہ شاید اقتدار کی مستی میں یہ حقیقت فراموش کر دیتے ہیں کہ بسا اوقات "خاموش گویائی" بالخصوص جب وہ محرومیوں کی المناک داستان سنا رہی ہو اور مجبوری اور بے بسی کی حسرتناک تصویر پیش کر رہی ہو، لمبی چوڑی تقریروں، خوشنما بیانات سے کہیں زیادہ اثر انگیز ثابت ہوتی ہے اور پوری قوم کے خفتہ احساسات کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ٹھوس حقیقت آمرانہ مزاج کے حامل فرمانرواؤں کی نظر سے ہمیشہ اوجھل رہی رہی ہے اور وہ اپنی اس غفلت کی وجہ سے خود اپنے آگے بھی کانٹے بوتے ہیں اور ملک و ملت کو بھی ہر دور میں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔

تلخ حقائق کو نظر انداز کرنے سے اُن کی تلخی میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ اُن کا سامنا کرنے میں جس قدر تغافل برتا جاتا ہے اُسی نسبت سے اُن کی سنگینی بڑھتی چلی جاتی ہے اور حکمرانوں کی پیہم غلطیوں کی وجہ سے یہی حقائق لاینحل مسائل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک فرمانروا اپنی آمریت کے قیام کی خاطر عوام کے جائز شہری حقوق سلب کرتا ہے۔ اس ناانصافی کا جو ردِعمل عوام کے اندر ہوتا ہے وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن خود اس حکمران کو اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ظالمانہ کارروائی کی تائید کے لیے سخت ناقابلِ اعتماد سہارے تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ جو فرد یا گروہ کسی لالچ میں آ کر پوری دنیا کے سامنے ناحق بات کی تائید کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے اور اس معاملے میں خدا اور خلق دونوں کے سامنے صریح جھوٹ بولتا ہے وہ کسی حکمران کے لیے کس حد تک مفید ثابت ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ جو فرد اپنے آپ سے مخلص نہ ہو، جسے اپنے ضمیر اور ایمان کے خلاف بات کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہ ہوتی ہو، جو معمولی سے دنیوی فائدوں کے لیے ظلم کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو سکتا ہو اُسے آخر کس طرح بھروسے کے قابل سمجھا جا سکتا ہے اور جو شخص اس پر بھروسہ کرتا ہے کیا وہ اپنی بربادی کا سامان فراہم نہیں کرتا؟ ظالم حکمران جادہ مستقیم سے ہٹ کر عوام پر جس نسبت سے دستِ ظلم دراز کرتے ہیں اسی نسبت سے وہ معاشرے کے بے ضمیر افراد کی تائید کے محتاج ہوتے ہیں تاکہ وہ ستمرانیوں کے حق میں کوئی آواز سن سکیں۔ یہ اندوہناک صورتِ حال جب کچھ مدت تک جاری رہتی ہے تو عملاً حکمران ٹولے میں وہ لوگ باقی رہ جاتے ہیں جو ضمیر، ایمان، حق پرستی اور اصول پسندی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اور صرف مادی مفادات کی خاطر تختِ اقتدار پر براجمان شخص سے اپنی عقیدت اور وابستگی کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ یہ فریب خوردہ شخصیت کچھ عرصہ تک تو اس بات سے مسرور ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ "عقیدت مندوں" اور "جاں نثاروں" کی فوج ظفر موج موجود ہے مگر چند ماہ کے بعد ہی اسے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کے یہ "فدائین" اس کے لیے کس طرح وبالِ جان بنتے جا رہے ہیں۔ حکومت خواہ کتنے ہی وسیع ذرائع و وسائل کی مالک ہو مگر وہ اقتدار کے سارے "خیر خواہوں" کی سر آن بڑھتی ہوئی خواہشات کو کماحقہ پورا نہیں کر سکتی۔ خصوصاً جب ان میں سے ہر "جاں نثار" مطالبات کی ایک طویل فہرست جیب میں لیے پھرتا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سربراہِ مملکت کے پرستار مطلوبہ مفادات حاصل نہ ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑ کر مخالف کیمپوں میں جا گھستے ہیں وہ چونکہ مملکت اور صاحبِ اقتدار اور اس کے یمین و یسار میں جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے اس کے محرم راز ہوتے ہیں اس لیے وہ حکومت کے ایوانوں میں بڑی تیزی کے ساتھ زلزلہ پیدا کر سکتے ہیں۔ حکمران طبقہ ان مخدوش حالات میں بھی سوچ سے کام نہیں لیتا بلکہ وہ اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ وابستگانِ اقتدار میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے کچھ دوسرے "جاں نثاروں" سے پُر کیا جائے۔ اس نازک مرحلے پر جب اقتدار کا سنگھاسن ڈول رہا ہو وہی لوگ لپک کر اسے سہارا دینے کے لیے آگے بڑھتے ہیں جنہیں دنیوی مفادات کے علاوہ اس بات کی بھی فکر لاحق ہوتی ہے کہ اگر انہوں نے حکومت کا تحفظ حاصل نہ کیا تو ان کے لیے آزادی کے ساتھ عوام کے اندر گھومنا پھرنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ تغیرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے چپکے رہنے کے لیے اپنے آپ کو حکومت کا بھی خواہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن حکمرانوں کی فرمانروائی اس قسم کے آبرو باختہ لوگوں کی تائید کی محتاج ہو وہ آخر کتنے دن قائم رہ سکتی ہے اور وہ جتنے دن قائم رہے اس میں ملک وملت کی فلاح و بہبود کے لیے کیا کر سکتی ہے۔ اس نوعیت کی حکمرانی تو ایک عذاب ہے جس کی لپیٹ میں حاکم ومحکوم دونوں آجاتے ہیں۔ تاریخ کا ہر ورق اس حقیقت کی شہادت دیتا ہے مگر ہر ظالم حکمران اس سے اغماض برتتا ہے۔

اقتدار کا دوسرا المیہ نوعیت کے اعتبار سے خدا اور آخرت سے غافل اس فاسق و فاجر کے طرزِ عمل سے ملتا جلتا ہے جو ہر روز اپنے سامنے لوگوں کے جنازے اُٹھتے دیکھتا ہے مگر اس کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا، جو خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائی بندوں کو لحد میں اُتار کر انہیں منوں مٹی کے نیچے دباتا ہے مگر ان کی موت سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتا۔ وہ غالباً یہ سمجھ کر فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے کہ موت تو دوسرے لوگوں کا مقدر ہے اس کا مقدر نہیں۔ اسے ابدالآباد تک اس دنیا پر ہی رہنا ہے اور اس کے اس حق کو کوئی طاقت چھین نہیں سکتی۔ انسان کی غفلت کوشی کا سب سے دردانگیز پہلو یہ ہے کہ وہ ہر اس حقیقت کو جس کا وہ صبح وشام مشاہدہ کرتا ہے اور جو اس کے سب سے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے اس پر سب سے زیادہ مؤثر طریق سے اثر انداز ہوتی ہے اس سے ہی صرفِ نظر کرتا ہے۔ انسانی زندگی میں موت سے زیادہ محسوس اور واضح حقیقت اور کونسی ہو سکتی ہے جس کے انکار کی کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا لیکن انسان اس حقیقت کو ماننے کے باوجود اسے عملاً جھٹلاتا ہے۔ اگر کوئی فرد دل کی گہرائیوں میں یہ بات تسلیم کرے کہ اُسے ایک دن موت کی آغوش میں پناہ لینا ہے اور اس سے مفر نہیں تو وہ اپنے خدا سے غافل ہو کر فسق و فجور کی زندگی بسر کرنے کی کیونکر جرأت کر سکتا ہے مگر لوگ اپنے حتمی انجام کو جاننے کے باوجود اپنے مالک سے بغاوت کا رویہ اس غلط فہمی کا شکار ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں کہ موت سے دوسرے لوگوں کو ہی دوچار ہونا ہے، وہ اس کی گرفت میں کسی طرح نہیں آسکتے۔

بالکل یہی حال بگڑے ہوئے حکمران کا ہوتا ہے۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اقتدار کی بے ثباتی دیکھتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو بخوبی جانتا ہے کہ جو شخص پہلے اس مسندِ اقتدار پر فائز تھا جس پر اب وہ قابض ہے، وہ اپنے حال اور مستقبل کے بارے میں کس قسم کی خوش فہمیوں کا شکار تھا اور بالآخر اُس کا کیا (باقی بر صفحہ ۴۵)

© rasailojaraid.com